پاکستان گورنمنٹ کی اسلامی حیثیت

ایک مکتوب گرامی

(از جناب مولانا سید محمد میاں صاحب مرادآبادی ناظم جمعیۃ علماء ہند)

"ذیل میں ہم اپنے فاضل و محترم دوست جناب مولانا کا وہ خط شائع کرتے ہیں جو موصوف نے برہان کے گذشتہ مقالہ "پاکستان گورنمنٹ کی اسلامی حیثیت" کو ملاحظہ فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔ مولانا کی علمی و دینی بصیرت محتاج تعارف نہیں اس لئے اس خط میں جو چند نکات زیر بحث لائے گئے ہیں وہ کافی غور طلب ہیں مگر افسوس ہے کہ یہ خط اس وقت ملا جب کہ مکتوب الیہ بیماری کے باعث صاحب فراش ہے اس لئے نہ اس کا جواب لکھا جا سکا اور نہ برہان کے لئے وہ مقالہ ہی تیار ہو سکا جس کو اس اشاعت میں آنا تھا بشرط صحت آئندہ اشاعت میں اس کی تلافی کی جائے گی۔ (ایڈیٹر)

محترم مولانا۔ دامت نیوضکم و عمت السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ مزاج گرامی

جناب کا مضمون میں نے کل ہوائی جہاز کی فرصت میں مطالعہ کیا۔

محترم مولانا۔ آپ نے اس مضمون سے اہل علم پر بہت بڑا احسان کیا ہے غور و فکر کی [illegible] سبیل معین کر دی۔ بہت سی جزئیات کے لئے ایک صحیح اصول پیش کر دیا۔

اسلامی حکومت کی تعریف کر کے درحقیقت نواب زادہ لیاقت علیخاں اور ان کی پارٹی پر [illegible] بہت بڑا احسان ہو گیا شاید یہ توجیہ ان کے سامنے بھی اس انداز سے نہ ہو گی۔ اسی طرح ابوا[illegible] صاحب مودودی کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے تقسیم کے وقت اگر کوئی معاہدہ نہ بھی ہوا ہو تو [illegible] لیاقت معاہدہ نے اقلیت کے آئینی اور دستوری حقوق پاکستان پر لازم کر دئے لیکن آپ [illegible] مضمون کے مطالعہ سے ایک شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے اور میری طرح خیال یہ ہے کہ بہت سے لوگ[illegible] کو ہوا ہو گا۔ آپ کے مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان بحالت موجودہ اس بنا پر کہ [illegible]

اور عیدین کی اجازت ہے اور مسلمانوں کی شہری اور قومی حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ دارالاسلام ہے حالانکہ جس عبارت سے آپ استدلال کر رہے ہیں اس میں تحت حکم ولاۃ امورنا۔ موجود ہے اس فقرہ کا جو ترجمہ آپ نے کیا ہے وہ بھی خلجان میں اضافہ ہی کر دیتا ہے۔ درمختار وغیرہ کی بہت سی عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے اور اکابر علمار کے فیصلوں سے بھی یہی ثابت ہے کہ جب تک مذہبی امور میں مسلمانوں کا بااختیار نظام نہ ہو۔ دارالاسلام نہیں ہے اور اگر کسی ملک میں بااختیار نظام نہ ہو تو اس کا قایم کرنا ضروری ہے اور اسی بنا پر درمختار میں فالبا باب قضار میں یہ ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنا ایسا امیر بنائیں جو جمعہ قایم کر سکے اور نکاح وغیرہ کے معاملات انجام دے سکے۔

حضرت مولانا سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تمام عمر اسی مسئلہ کو پیش کرتے رہے اور جمعیۃ علمار ہند کا مطالبہ نظام قضار جس کو غالباً کلچرل اٹانمی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے وہ بھی یہی ہے۔

علاوہ ازیں مسلمان حکام اور نمازوں کی آزادی انگریزی دور میں بھی تھی مگر اس زمانہ میں علمار نے ہندوستان کو دارالاسلام نہیں کہا۔ البتہ بھوپال اور حیدرآباد کو درمختار کی اس عبارت کے بموجب دارالاسلام تسلیم کرتے رہے۔

گویا۔ دارالاسلام کے لئے یہ تو ضروری نہیں ہے کہ اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ البتہ اگر کسی ملک میں مسلمانوں کے اندرونی معاملات ان کے وُلاۃِ امور اور نوّاب کے حوالے کر دیے گئے ہیں تو وہ دارلاسلام ہو جائے گا۔ اس جرح کے بعد موجودہ ہندوستان کی حیثیت کا سوال پھر باقی رہ گیا دارالحرب یقیناً نہیں ہے کیونکہ اقتدار اعلیٰ محارب نہیں۔ مکہ کی مثال بھی صادق نہیں آتی اور مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں اگرچہ مسلمانوں اور یہودیوں کو ملا کر سیاسی وحدت قایم کر دی گئی تھی۔ مگر عدالت عالیہ۔ حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل وانصاف تھا اور اسی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے سپرد تھا۔ حبشہ میں مسلمان ۔مستامن تھے۔ پناہ گزیں تھے۔ حبشہ کو وطن نہیں بنایا اور اس دور پناہ گزینی

میں جو حبشہ نے امداد کی اس کے عوض میں مسلمانوں نے بھی جنگ میں شاہ حبشہ کی فوجوں کی امداد کی بموجب "ھل جزاء الاحسان الا الاحسان" لہذا حبشہ پر بھی ہندستان کو قیاس نہیں کر سکتے۔

اب ایک اہم خدمت یہ ہے کہ آپ ہندستان کی حیثیت معین کریں کتب فقہ میں دو ہی "دار" کا تذکرہ آتا ہے دارالاسلام اور دارالحرب لیکن قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اور بھی ہوں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ صدارت جمعیۃ علماء ہند میں غالبا "الدر المنتقی" کے حوالے سے ایک تیسرا دار بھی بیان فرمایا ہے یعنی دارالامن لیکن یہ کتاب مجھے ملی نہیں اس کتاب کا صحیح نام تو خطبہ صدارت سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر جناب کے پاس نہ ہو تو احقر دہلی پہنچ کر لکھ دونگا مگر بہرحال یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کا فیصلہ کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے دو باتیں اور بھی عرض کر دوں۔ ان دونوں سے احقر کو مسرت ہوئی۔ کیونکہ آج تک ان دونوں خیالات میں کسی کی تائید نہیں حاصل ہوئی تھی آپ کی تحریر سے تائید حاصل ہو گئی۔

اول یہ کہ خلافت راشدہ خیر القرون سے اس لئے آگے نہیں بڑھ سکی کہ ایسے آدمی نہیں رہے تھے احقر کا خیال بھی یہی ہے۔

بظاہر خلافت راشدہ کے لئے ضرورت ہے کہ اس کے تمام ذمہ دار تقویٰ اور عبادت کے تربیت یافتہ اور صاحب بصیرت و تفقہ ہوں

سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے جن کی تربیت کی تھی ان کا ایسا دور جس میں اقتدار اعلیٰ ان کے ہاتھ میں ہوتا وہ کم وبیش تیس سال تک رہنے والا تھا۔

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بھی منکشف ہو چکی تھی آپ کے بعد دیانت و امانت کی ترقی نہ ہوگی بلکہ تدریجی تنزل شروع ہو جائیگا۔ لہذا آپ کا یہ ارشاد کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر ملک عضوض شروع ہو جائے گا ایک ایسی پیشین گوئی ہے جو طبعی حالات کے قیاس پر مبنی ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ فیصلہ ہر ایک خلجان کو ختم کر دیتا ہے کہ

قرون ثلاثۃ مشہود لہا بالخیر۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہو جاتے ہیں البتہ حضرت شاہ صاحبؒ بے شمار احادیث کی روشنی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ ہی قرار دیتے ہیں البتہ خلافت راشدہ غیر منتظمہ۔ اعد حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات کے مطابق خیر القرون کے علی الترتیب یہ تین درجے ہوتے ہیں۔

۱۔ دور نبوت۔

۲۔ خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوت

۳۔ خلافت راشدہ منتظمہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ختم ہوتا ہے

لیکن آپ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور کے بعد اب امیر یہ خلافت یا دینی حکومت صحیح معنوں میں کبھی قائم نہیں ہوئی ابتدائی دور کے ساتھ تحدید پر مجھے شبہ ہے۔

دوسری بات جس سے مجھے اطمینان ہوا کہ آپ سے اس کی تائید حاصل ہوئی۔ وہ یہ کہ ستی کی رسم جو مسلمان بادشاہوں کے دور میں جاری رہی تو اس کا سبب مسلم حکام کی بے پرواہی اور بے اعتدالی نہیں تھی بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندوؤں کے رسم و رواج میں مداخلت کبھی بھی گوارا نہیں کی اگرچہ احقر کے خیال میں اصولاً ان کے لئے لازم تھا کہ وہ اس رسم کو بند کرتے۔ کیونکہ یہ ایسا فعل ہے جو نہ صرف اسلام کی رو سے ناجائز ہے بلکہ انزام عالم کے مسلمات کے خلاف ہے اور جس طرح نکاح وغیرہ کے سلسلہ میں آزادی کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی اجازت نہ ہوگی کہ مجوسی۔ ماں یا حقیقی بہن سے شادی کر سکے اسی طرح ستی کی رسم بھی تھی۔ تاہم اگر اس کو ختم نہیں کیا گیا تو اس کا باعث ان کا یہی تخیل تھا کہ ہندوؤں کی مذہبی آزادی میں کوئی مداخلت نہ ہونی چاہئے۔

میں نے کافی وقت سے لیا۔ اور اپنا بھی اتنا ہی وقت صرف کر دیا مگر میرا خیال ہے کہ اس طویل تحریر میں جس تحقیق کی آپ سے درخواست کی ہے اگر وہ منظور ہوئی تو مجھے بھی فائدہ ہوگا اور عام مسلمانوں کو بھی۔ محترم مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی خدمت میں سلام پیش فرما دیجئے۔ بچوں کو دعا فرما دیجئے